سوال

(87) دینی تعلیم پر اجرت لینا حرام ہے یا حلال ؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کی تعلیمات و دینیہ قرآن وحدیث فقہ وغیرہ پر اجرت لینا حرام ہے۔ یا حلال؟ ایک مولوی صاحب تعلیم دینیات پر اجرت لینا حرام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ جوملاں مولوی مذکورہ تعلیم پر اجرت لیتا ہے۔ وہ حرام کھاتا ہے۔ اور دلیل دی کہ جو ابوداؤد میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن عبادة بن صامت قال قلت یا رسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل اہدي الی قوسا ممن کنت اعلمہ الکتب والقران ولیست بمالفارہی علیہا فی سبیل اللہ قال کنت تحب ان تطزق طوقا طوقا من النار فاقبلہا (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

اور بیہقی میں ہے۔

من اخذ قوسا علی تعلیم القران قدرہ اللہ قوما من نار

اب دریافت طلب سائل کی یہ ہے کہ تعلیم علم دین پر اجرت لینا حرام ہے۔ یا حلال۔ اگر حلال ہے۔ توان حدیثوں کا کیا جواب ہے۔؟ جواب سے تسلی فرمایئں۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین اما بعد فاقول وباللہ التوفیق

واضح ہوکہ مسئلہ مذکورہ بالا میں اہل حدیث اور حنفی حضرات کا اختلاف ہے۔ اہل حدیث اور جمہور علماء قرآن وحدیث اور دینیات کی تعلیم پر اجرت ومشاہرہ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اور معتقد میں احناف اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور متاخرین حنفیہ اہل حدیث کے متفق ہوگئے ہیں۔ تفصیل اس کی فتاویٰ نزیریہ جلد دوم کتاب الاجارۃ

اب تومدت مذیدسے اس کے جواز پر قریباً تمام امت محمدیہ ﷺ کا اجماع ہورہا ہے۔ عرب وعجم کے تمام علماء تعلیم وتبلیغ بلکہ آذان واقامت نماز پر تنخواہیں۔ کھا رہے ہیں۔ کسی کی تنخواہ سرکاری بیت المال سے مقرر ہے۔ اور کسی کی انجمن یا کسی جماعت کی طرف سے معین ہے۔ کسی کو کوئی ایک ہی مالدار شخص تنخواہ دے رہا ہے۔ رمضان شریف میں نماز تراویح میں حفاظ قرآن مجید سناتے ہیں۔ جب آخر رمضان میں ختم کرتے ہیں۔ توان کو بہت کچھ دیا جاتا ہے۔ اہل حدیث اور حنفیہ کا اسپر تعامل ہے۔ کوئی کسی کو حرام خور نہیں کہتا اسی طرح مدارس عرب وعجم میں تعلیم وتبلیغ پر مشاہرے لئے جارہے ہیں۔ اوردیئے جارہے ہیں۔ کسی۔ عالم۔ محدث۔ فقیہ۔ نے حرام کا فتویٰ دے کر اس کے انسداد کی کوشش نہیں

کی ۔ فرقہ ناجیہ اہل حدیث کا بھی یہی تعامل چلا آرہا ہے ۔

اب مولوی صاحب مذکور کو کونسی وحی نازل ہوگئی ۔ جس کی بناء پر وہ اس تمام سلسلہ کو حرام قرار دے رہے ہیں ۔ نہ ان کو اتنی علمیت ہے ۔ کہ وہ تحقیقی مسائل میں محدثین سابقین سے سبقت لے گئے ہوں ۔ اور نہ ان کا اتنا تقویٰ ہے ۔ کہ وہ ہر قسم کے مسائل مختلف میں احتیاط سے کام لے کر شبہات سے بچنے لگے ہوں ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی شہرت کرانے کے لئے تمام علماء دین کو حرام خور کہنے لگے ہوں ۔ ورنہ یہ مسئلہ اجماعی اور اتفاقی بن رہا ہے ۔ اور جو اسکے خلاف ہے شاذ ہے ۔

اب اس کی مختصر تحقیق سنیے! بلوغ المرام میں حدیث ہے ۔

عن ابن عباس ان رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ (اخرجہ بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تحقیق بہت ہی لائق چیز جس پر تم مذدوری حاصل کرو ۔ اللہ کی کتاب ہے ۔ (رواہ البخاری)

یہ حدیث نہایت درجہ کی صحیح ہے ۔ اور اس کتاب کی ہے جس کو کتاب اللہ کے بعد تمام روئے زمین کی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے ۔ لہذا یہ حدیث اس مسئلے میں حجت قوی ہے ۔ کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے ۔ بلکہ اور ذریعے سے اجرت لینے اور تنخواہ وغیرہ حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم پر اجرت لینا زیادہ لائق ہے ۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں ۔

ہذا تصریح لجواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ بالفاتحۃ والذکر وانہ حلال لا کراہیۃ فیہا وکذا الاجرۃ علی تعلیم القران وہذا مذہب الشافعی ومالک واحمد واسحاق وابی ثور واخرین من السلف ومن بعد ہم ومنعہا ابو حنیفۃ فی تعلیم القران واجازہا فی الرقیۃ

یعنی اس حدیث میں صاف صراحت ہے ۔ کہ فاتحہ اور دم جھاڑ کرکے اجرت لینا جائز ہے ۔ اور وہ حلال ہے ۔ جس میں کوئی کراہت نہیں ۔ اور اسی طرح تعلیم قرآن پر اجرت لینا حلال ہے ۔ یہی مذہب آئمہ دین ۔ شافعی ۔ مالک ۔ احمد ۔ اسحاق ۔ ابو ثور ۔ اور دیگر علماء سلف وخلف کا ہے ۔ اور تعلیم قرآن پر امام ابو حنیفہ منع کرتے ہیں ۔ اور دم کرنے پر جائز کہتے ہیں ۔ اس تصریح سے واضح ہوا کہ اہل حق کا سواد اعظم اس اجرت کے جواز کا قائل ہے ۔

علامہ ابن حزم محلی ج8 ص193 میں فرماتے ہیں!

والاجارۃ جائزۃ علی تعلیم القران وعلی تعلیم العلم مشاہرۃ وجملۃ وکل ذالک جائزۃ وعلی الرقی وعلی نسخ المصاحف ونسخ کتب العلم لانہ لم یات فی النہی عن ذلک نص بل قد جاء ت الا باحۃ کما روینا من طریق البخاری الخ

یعنی تعلیم القرآن اور دیگر علوم کی تعلیم پر اجرت لین جائز ہے ۔ ماہوار ہو یا اکٹھی سب جائز ہے ۔ سر وم کرنے اور قرآن اور آسمانی کتب تفسیر حدیث کی کتابوں کی کتابت پر مزدوری لینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے ۔ (تو اصل اشیاء میں اباحت) بلکہ اس کے درست ہونے کے متعلق بخاری کی حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا ۔

پھر علامہ ابن حزم نے حدیث بخاری کو بروایت ابن عباس نقل کرکے اس سے استدلال کیا ہے ۔ پھر دوسری یہ دلیل پش کی ہے ۔

والخبر المشہور ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوج امراۃ من رجل بما معہ من القران ای یعلمہا ایاہ

یعنی یہ حدیث مشہور ہے ۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تعلیم کے عوض میں ایک مرد سے ایک عورت کا نکاح کرایا تھا ۔

میں کہتا ہوں کہ مسلم شریف کے باب الصدق وجوازکونہ لعلیم القران میں وہ حدیثیں جن میں لعلیم قرآن کے عوض عورت کے نکاح کردینے کا زکر ہے۔ وارد ہے ان میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

فقد زوجتنہا فعلمہا من القران

کہ تجھے یہ عورت نکاح کردی۔ تو اسے قرآن کی تعلیم دے۔ نیزیہ الفاظ ہیں۔

فقد ملکتنہا بہا معک من القران

کہ اس عورت کو تیرے قرآن کی تعلیم کے عوض تیری ملک میں کیا جو تجھے یاد ہے۔

ابو داﺅد میں ہے۔

علمہا عشرین ایۃ وہیا مراتک

تو اس کو بیس آیات پڑھا دے۔ یہ تیری عورت ہے۔

اب مولوی صاحبان معلوم کریں کہ نکاح ہوگیا تھا یا نہیں۔ ؟اور زوجین نے اس پر عمل کیا تھا کہ نہیں؟اگر جواب اثبات میں ہے۔ تو مدعا ہمارا ثابت ہوا۔کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی اور عورت سے نکاح کرنا اور دیگر منافع حاصل کرنے جائز ہیں۔ اگر یہ نکاح ناجائز ہے۔ کیونکہ اجرت اور مہر ناجائز چیز کا باندھ دیا گیا۔ پھر یہ اللہ کے رسول ﷺ اور شریعت مطہرہ پر حملہ ہے۔ اور مولوی صاحب کے نزدیک سب حرام کا بنتے ہیں۔ تو ان کو اسلام کا دعویٰ چھوڑ دینا چاہیے۔ اور کوئی دوسرا مذہب پسند کرلینا چاہیے۔

نعوز باللہ من ذالک

اب اس حدیث پر امام نوویؒ کا فرمان سنیے!وہ فرماتے ہیں کہ

وفی ہذا الحدیث دلیل لجواز کون الصداق فعلیم القران وجوازالاستیجار التعلیم ال قران وکلاہما جائز عند الشافیی بہ قال عطاء والحسن بن صالحو مالک واسحاق وغیرہم ومنعہ جماعۃ منہم الزہري وابو حنیفۃ وہذا الحدیث مع الحدیث الصحیح ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ یرد ان قول من منع ذلک ونقل القاضی عیاض جوازالاستحبار لتعلیم القران عن العلماء کافۃ سوي ابی حنیفۃ انتہی (مسلم ج1ص458)

یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن کا مہر ہونا جائز ہے۔ اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ امام شافعی۔ اور عطا اور حسن بن صالح اور امام مالک اور امام اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ ایک شرزمہ قلیل اس سے روکتا ہے جن میں سے زہری اور امام ابو حنیفہ ہیں۔ یہ حدیث بمع حدیث ابن عباس مذکور منع کرنے والوں کا رد کرتی ہے۔

اور قاضی عیاض نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں کا جواز تمام علماء سے نقل کیا ہے۔ سوائے امام ابو حنیفہ کے محلی ابن حزم میں ہے۔

عن الوضین ابن عطاء قال مکان بالمدینۃ ثلاثۃ معلمین یعلمون الصبیان فکان عمر بن خطاب یرزق کل واحد خمسۃ عشر کل شہر (محلی ابن حزم ج8ص190)

یعنی وضین بن عطاء سے روایت ہے کہ مدینہ میں تین معلم تھے۔ جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر مدرس کو پندرہ (درہم یا دینار) دیا کرتے تھے۔

نیز لکھا ہے۔

وصح عن عطاء وابی قلابۃ اباحۃ اجر المعلم

یعنی عطا۔ ابو قلابہ سے بھی معلم کی اجرت جائز منقول ہے۔ نیل الاوطار میں ہے۔

ذہب الجمہور الی انہا تحل علی تعلیم القران

یعنی جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت یا مزدوری حلال ہے۔ تنقیح الرواہ تخریج مشکواۃ میں ہے۔

استدل بہ الجمہور علی جواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القران

یعنی حدیث ابن عباس سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے۔ کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی روا ہے۔

الغرض بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا جائز ثابت ہوا چنانچہ الفاظ صاف ہیں کہ اللہ کی کتاب سب سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس پر مزدوری حاصل کرو۔

بخاری اور مسلم صحیحین کہلاتی ہیں۔ جو طبقہ اولیٰ کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ ان کی حدیث سب کتابوں پر مقدم ہے۔ ان کے خلاف اگر طبقہ ثانیہ (ابو داو۔ ترمذی۔ نسائی) یا طبقہ ثالثہ (سنن دار قطنی بیہقی) کی حدیثیں کی جایئں توان کے درمیان تطبیق دی جائے گی۔ ورنہ توقف ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ ''کہ صحیحین کی شان یہ ہے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ کہ ان میں جو حدیثیں مرفوع متصل ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں۔ یہ کتابیں اپنے اپنے مصنفوں تک متواتر نہیں۔'' (حجۃ البالغہ)

دیگر قاعدہ یہ ہے کہ احکام یعنی فرض واجب۔ حلال حرام میں صحیح حدیث قابل استدلال ہے اور ضعیف حدیث قابل حجت نہیں ہے۔ ہاں فضائل اعمال میں حجت ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم جلد اول ص 21 کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔

ان کان یعرف ضعفہ لم یحل لہ ان یحتج بہ فانہم متفقون علی انہ لا یحتج بالضعیف فی الاحامام

یعنی روایت کا اگر ضعف معلوم ہے تو اس سے حجت پکڑنا حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث احکام میں حجت نہیں ہے۔ پس ان دو قاعدوں کو ایک یہ کہ طبقہ اولیٰ کی حدیثیں دیگر طبقوں پر راجح ہیں دوم ضعیف حدیث احکام میں حجت نہیں ذہن نشین فرما کر اب تعلیم قرآن پر اجرت یعنی حرام کہنے والوں کے دلائل کے جوابات سنئے ایک حدیث وہ ہے جو سائل نے لکھی ہے۔

عن عبادہ بن صامت قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل اہدي الی قوسا ممن کنت اعلمہ الکتب والقران ولیست بمال ارمی علیھا فی سبیل اللہ قال ان کنت تحب ان تطوق طموقا من نار فاقبلھا (ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص نے کمان ہدیہ بھیجی ہے۔ اور یہ اُن شخصوں میں سے ہے۔ کہ جن کو میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیا کرتا ہوں۔ اور کمان کوئی حال نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ اللہ کی راہ میں تیر اندازی کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! کہ اگر تو یہ دوست رکھتا ہے۔ کہ تجھ کو آگ کا طوق پہنایا جائے۔ تو اس کو قبول کرے۔ اس حدیث کو ابن داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مانعین اجرت تعلیم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ پس اس حدیث کے تین جواب ہیں۔

1۔ یہ حدیث طبقہ ثانیہ کی ہے۔ اور حدیث ابن عباس صحیحین طبقہ روئی کی ہے۔ لہذا اس کے مقابلہ میں مقدم نہ ہوگی۔

2۔ حدیث ابن عباس صحیح بلکہ اصح ہے اور حدیث عبادہ ضعیف ہے۔ چنانچہ تنقیح الرواۃ تخریج المشکواۃ ص196 جلد2 میں ہے۔

وفی اسناد الحدیث مغیرۃ ابن زیاد مختلف فیہ وثقہ وکیع ویحیی ابن معین وتکلم فیہ جماعۃ واستنکر احمد حدیثہ وقال ابوزرعۃ لا تحتج بحدیثہ وناقض الحاکم فصح حدیثہ فی المتدرک واتھمہ فی موضع اخر فقال یقال انہ حد عن عبادۃ ابن نسی بحدیث موضوع

یعنی اس حدیث کی سند میں ایک راوی مغیر ابن زیاد ہے۔ جو مختلف فیہ ہے۔ وکیع اور یحییٰ ن اسے ثقہ کہا ہے۔ ایک جماعت نے اس میں کلام کیا ہے۔ یعنی جرح کی ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے۔ اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ حاکم نے اس پر مناقصہ ہے۔ مستدرک میں کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہے مگر دوسری جگہ اس کو مہتم کیا ہے۔ کہ وہ عبادہ س موضوع حدیث بیان کرتا ہے۔ بہر کیف مغیرہ مختلف فیہ ہے۔ اور جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ لہذا مغیرہ ضعیف ہے۔ دوسرا راوی اس حدیث میں اسود بن ثعلبہ ہے۔ اس کے متعلق محلی ابن حزم میں لکھا ہے۔

وہو مجہول لایدری قالہ علی ابن المدینی وغیرہ

یعنی اسود بن ثعلبہ مجہول ہے۔ اس کا حال معلوم نہیں ہوا۔ علی بن مدینی نے کہا ہے۔ مجہول راوی جس روایت میں ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ تیسرا راوی بقیہ بن ولید ہے۔ جس کے متعلق محلی میں ہے۔ کہ وھوا ضعیف وہ ضعیف ہے۔ پس جس حدیث میں تین راوی ضعیف ہوں وہ قابل استدلال نہیں ہوسکتی۔

امام ابن حزم نے امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کر کے پھر لکھا ہے کہ

واحتج لہ مقلدوہ بخبر روینا

یعنی امام ابوحنیفہ کے مقلد اس کی حمایت کےلئے اس حدیث سے صحبت لیتے ہیں جو ہم نے روایت کی ہے پھر حدیث قوس وغیرہ لکھ کر ان کی تضعیف کی ہے ابی ابن کعب سے ایک روایت نقل کی ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں ابوادریس خولانی ہے جو ابی بن کعب سے رویات کرتا ہے لیکن اس کا سماع ثابت نہیں لہذا یہ روایت منقطع ہے۔

لایعرف لابی ادریس سماع من ابی

ابی ابن کعب کا ایک اور طریق ہے جس کے متعلق نیل الاوطار میں ہے۔

اما حدیث ابی بن کعب فاخرجہ ایضا والبیھقی والرویافی فی مسندہ قال البیھقی وا بنعبد البر ہو منقطع

یعنی حدیث ابی ابن کعب جس کو بیہقی اور رویانی نے مسند میں روایت کیا ہے۔ اس کے متعلق بیہقی اور ابن عبد البر نے کہا کہ وہ منقطع ہے۔

اس میں عطیہ کلائی اور ابن ابی کعب کے درمیان انقطاع ہے پھر اس میں عبدالرحمٰن بن مسلم نے عطیہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔

واعلہ ابن القطان بحال عبدالرحمان بن مسلم الراوي عن عطیۃ

یعنی ابن القطان نے عبدالرحمٰن کی وجہ سے جو عطیہ سے راوی ہے اس حدیث کو معلول کیا ہے۔ پھر ابی کی حدیث کے کئی طرق ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے۔ ابی کی حدیث کے کئی طرق ہیں اور ابن قطان نے کہا کہ ان میں کوئی بھی ثابت نہیں۔

ایک حدیث عمران بن حصین کی ترمذی میں ہے۔ جس سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔ امام ترمذی اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔

لیس اسنادہ بذالک

کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ عبادہ والی حدیث کا ایک طریق اسماعیل بن عباس سے ہے اس کے متعلق محلی میں ہے۔

وہو ضعیف ثم ہو منقطع

یہ راوی ضعیف بھی ہے۔ اور منقطع بھی ہے۔ یعنی اس طریق میں دو راوی ضعیف ہیں۔

اسی طرح ابی ابن کعب کا ایک طریق علی ابن رباح سے آیا ہے۔ اس کے متعلق محلی میں ہے۔

والاخر ایضا منقطع لان علی بن رباح لمیدرک ابی بن کعب

یہ روایت بھی منقطع ہے۔ کیونکہ علی بن رباح نے ابی بن کعب کو نہیں پایا۔

اسی طرح بیہقی اور ابو نعیم نے ابو درداء سے ایک روایت زکر کی ہے۔ تنقیح الرواۃ میں ہے۔

فی اسنادہ مقال کہ اس کی سند میں جرح ہے۔ پھر دارمی میں ابو درداء سے ایک روایت ہے تنقیح الرواۃ میں ہے۔

قال وحیم حدیث ابی درداء ہذا لیس لہ اصل

یعنی وحیم نے کہا حدیث ابو درداء کی کوئی اصل نہیں۔

الغرض اجرت منع ہونے کے بارہ میں جس قدر روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کوئی منکر ہے کوئی منقطع کسی کے راوی ضعیف ہیں کسی میں کوئی علت ہے۔ لہذا مانعین کا دعویٰ دربارہ اجرت تعلیم القرآن و حدیث کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں۔

1۔ یہ حدیث طبقہ ثانیہ یا ثالثہ کی ہیں۔ جو طبقہ اولیٰ کی احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ طبقہ اولیٰ کو ترجیح ہے۔

2۔ یہ احادیث ضعیف ہیں۔ اور جواز اجرت کی احادیث نہایت صحیح ہیں۔ ضعیف سے صحیح کا مقابلہ ٹھیک نہیں۔

3۔ احادیث جواز اجرت مثبت ہیں۔ اور احادیث منع اجرت نافی ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے۔

4۔ احادیث منع کی موول ہیں۔ مثلاً حدیث عبادہ وغیرہ جس میں زکر قوس ہے اس کا مقصد ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علم انہما فعلا ذالک خالصا للہ ذکرہ اخذ العوض عنہ (نیل الاوطار)

یعنی عبادہ اور ابی کا حال نبی ﷺ نے معلوم کر لیا تھا۔ کہ انہوں نے یہ کام خالص لوجہ للہ کیا ہے۔ اب اس کا بدلہ لینا مکروہ ہے۔ پس اب بھی یہی صورت مراد ہے۔

ایک حدیث تحریم سوال بالقرآن پر دلالت کرتی ہے۔ اس کو مسئلہ ما بہ النزاع سے کچھ تعلق نہیں۔ (نیل الاوطار)

ایک اور حدیث میں تاکل بالقرآن کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق نیل میں ہے۔

فواخص من یحل المغزاع لان المنع من التا کل بالقران لایستلزم المنع من قبول ما دفعه المعلمبطیبة من نفسه

یہ حدیث دعویٰ اور مسئلہ متنازع سے بہت ہی خاص ہے کیونکہ سنیے !تا کل بالقرآن سے طالب علم کا اپنی خوشی سے کوئی چیز دینے اور اس کے قبول کرنے سے منع ہوتا۔ یا منع کرنا لازم نہیں آتا۔ ہر دو مسئلہ علیحدہ علیحدہ میں دعویٰ اور دلیل میں تقریب تمام کا ہونا لازم ہے اجرت آذان کی ممانعت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قیاس ہے۔ اور قیاس بھی فاسد الاعتبار اس لیے صحت نہیں نیل الاوطار میں ہے۔

پھر یہ قیاس بمقابلہ نص ہے جو مردود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث بخاری و مسلم سے مسئلہ جواز اجرت تعلیم کا صحیح ثابت ہوا۔

والعمل علیہ اکثر اہل العلم

باقی تاویلات مانعین کی ناقابل قبول ہیں۔ کیونکہ سب تاویلات بے دلیل ہیں۔ مثلاً یہ کہ حدیث

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ

کی تاویل بعض مقلدین نے یہ کی ہے کہ اس اجر اخروی یعنی ثواب آخرت مراد ہے۔ چنانچہ تعلیق صحیح شرح مشکواۃ میں مولوی ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے کہ

قلنا ارادبہ الاجرالاخرة

یہ تاویل مردود ہے۔ اور یہ تاویل

بما لا یرضی بہ القائل

کی مصداق ہے کیونکہ مورد کے خلاف ہے۔ اور سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ کیونکہ مذدوری موجود ہے اور سوال اس کے متعلق ہے۔ اگر جواب اجر آخرت ہو تو سائل کے سوال کا اجر کہاں گیا۔ اور اس چیز کا حکم کیا ہوا۔ یہ تو سوال از آسمان جواب از ریسمان کی مثل ہوگا۔ جو شان نبوت کے خلاف ہوگا۔ دوم یہ کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف رقیہ پر اجرت لینا ہے تعلیم پر نہیں میں کہتا ہوں یہ تاول بھی مردو ہے۔ کیونکہ مورد اگرچہ خاص ہے۔ لیکن جواب عام ہے۔ لفظ ما عموم کے لئے ہے۔ اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ

ان العبرة لعموماللفظ لا لخصوص السبب

یعنی لفظوں کے عموم کا اعتبار ہے۔ مورد اور سبب کا اعتبار نہیں اگر صرف رقیہ مراد ہو تو حدیث میں خاص ہی لفظ بولا جاتا۔

سوم یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث ابن عباس عام ہے۔ اور حدیث عبادہ خاص ہے۔ عام اور خاص کا مقابلہ ہو تو عام کی تخصیص کی جائے گی۔ پس حدیث عبادہ حدیث ابن عباس کی مخصص ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانی نے یہی کہا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل بھی مردود ہے۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔

1۔ یہ کہ عام اور خاص کا مقابلہ اس وقت صحیح ہوتا ہے۔ (جس سے تخصیص کرنی پڑتی ہے۔) جس وقت دونوں یکساں قوی ہوں۔ اگر خاص ضعیف و کمزور ہو تو مخصص نہیں ہوسکتا۔ جب دس مردے ایک زندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دس بیمار ایک قوی صحیح وسالم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ضعیف حدیث صحیح حدیث کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔

2۔ دوم حدیث نکاح بعض تعلیم قرآن اس تخصیص کی تردید کرتی ہے۔

3۔ امت محمدیہ کی اکثریت کا تعامل اور اکابر محدثین کا اس سے استدلال کرنا اس تاویل کو باطل کرتا ہے۔

4۔ چہارم۔ تعامل خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ کما مر سابقا

5۔ پنجم۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث عبادہ وغیرہ کی منفردات روایتیں تو بے شک ضعیف ہیں۔ لیکن تعداد طرق سے جو مجموعہ تیار ہو جاتا ہے۔ وہ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

ان الحوق الضعیف بالضعیف لایفید قوۃ

یعنی ضعیف کو ضعیف سے ملانا قوت کو مفید نہیں۔ یہ اس وقت مفید ہے۔ جب ضعف کم ہو۔ اگر زیادہ ہو تو مفید نہیں۔ یہاں یہی معاملہ ہے۔ (کتبہ۔ عبد القادر المہاجر الحصاری۔ فتاویٰ ستاریہ جلد سوم ص73)

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد12ص 168-191

محدث فتویٰ